جماعت اہلحدیث کا ترجمان اور مسلک اہلحدیث کا داعی

جلد ۳۶ شمارہ ۱۳ مورخہ ۳۰- محرم ۱۴۰۵ھ / ۲۶- اکتوبر ۱۹۸۴ء جمعۃ المبارک

مندرجات

ایک اشتہار بسلسلہ عرس ۲
اداریہ ۳-۴
درس منتخبات قرآن ۵-۶
احکام و مسائل ۷-۹
اسلامی ریاست اور جماعت سازی ۱۰-۱۳
عورت کی نصف دیت کا مسئلہ ۱۴-۱۷
اسلام اور بنیادی ضروریات ۱۸-۱۹
تبصرہ کتب ۲۰-۲۱
اطلاعات و اعلانات ۲۲-۲۳

مجلس ادارت
حافظ صلاح الدین یوسف
علیم ناصری ایم اے

سالانہ ۵۰ روپے
ممالک غیر سے

بلاتبصرہ

بریلوی اکابر و احباب اور حکومت کے لئے لمحۂ فکریہ

بہ سلسلہ عرس حضرت علی ہجویریؒ ایک بریلوی اشتہار

بہترین پرنٹنگ پریس ایبک روڈ لاہور سے شائع شدہ
ایک فل سائز اشتہار دو سال قبل لاہور کی دیواروں پر عام
چسپاں تھا جسے "غلامانِ" داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ رنگ محل
لاہور" (فون پی پی ۳۲۴۴۵) نے شائع کیا تھا۔ اس پر بریلوی
مکتبِ فکر کی دو درس گاہوں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور
حزب الاحناف لاہور کے دو علماء جناب محمد رشید نقشبندی
جناب ابوالریان محمد رمضان کے علاوہ "حکیم اہل سنت"
جناب حکیم محمد موسےٰ امرتسری اور "خطیب اہل سنت" علامہ
الٰہی بخش قادری ضیائی (جو تقریباً ہر جمعرات کو دربار پر
تقریر کرتے ہیں) کی تصدیقات موجود ہیں۔

ذیل میں ہم یہ اشتہار بریلوی احباب اور حکومت
کے لمحۂ فکریہ کے طور پر بلاتبصرہ پیش کر رہے ہیں۔ وھو ھذا۔

اشتہار

کیا حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ نے کیا
تھا یا کہا تھا؟ کہ

۱۔ عرس کے موقعہ پر ڈھول باجے گانا ناچ کیا جائے؟
۲۔ نماز ادا نہ کی جائے لیکن قوالی ضرور سنی جائے؟
۳۔ سرکس، موت کا کنواں اور تھیٹر لگائے جائیں اور
دیکھے جائیں۔
۴۔ خواتین اور نوجوان لڑکیوں کا مردوں کے ہجوم میں آنا
اور مردوں کا ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا (کیا یہ تعلیماتِ
داتا صاحب کے خلاف نہیں؟)
۵۔ لاکھوں روپوں کی چادریں تو چڑھائی جائیں لیکن
محلے کے یتیموں، مسکینوں، بیوہ عورتوں کی
خبر تک نہ لی جائے۔
۶۔ رقص کرنے، ڈھول ڈھمکا اور دھمال ڈالتے ہو
مزار شریف کی چادر لانا؟
۷۔ مصنوعی داڑھیاں لگا کر سنت رسول اللہ صلی ا
تعالےٰ علیہ واصحابہ وسلم کا مذاق اڑانا۔
۸۔ مزار شریف کے ارد گرد بھنگ، چرس، بوٹی پینے وا
ملنگوں تلنگوں کے اڈے لگانا، دوکانوں پر جانورو
کے بت بنا کر رکھنا اور بیچنے کو ثواب سمجھنا۔
۹۔ رشوت، بلیک، سود سے حرام کمانا اور پھر اس ناپاک ک
سے داتا کی نیاز دلا کر اپنی نجات اور بخشش کی امید رکھ
۱۰۔ بے عمل اور بدعمل واعظین اور مقررین کا کاروباری
تقریریں کرنا؟ اور جاہل نام نہاد جھوٹے صوفیوں کا پ
مریدی کی دکانیں لگانا اور ان کو چمکانے کے لئے دجل و
سے کام لینا۔ تلک عشرۃ کاملۃ

(یہ پوری دس باتیں ہیں)

الجواب

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے ہرگز ہرگز ایس
کیا اور نہ کہا؟

لھٰذا اس طرح کی بیہودہ اور خلافِ شرع حرکات کر
والے داتا کے غلام ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔
کیونکہ یہ سب باتیں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ ک
تعلیمات کے خلاف ہیں اور افسوس ہے کہ یہ سب خلافِ ش
اور خلافِ اسلام حرکات محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ہو رہی ہ

فاعتبروا یا اولی الابصار

فون مولانا محمد عطاء اللہ حنیف (دگھو)
۶۲۴۰۶
۲۶ اکتوبر ۱۹۸۴ء
۳۰ محرم الحرام

ہفت روزہ
الاعتصام لاہور

فون دفتر الاعتصام
۵۴۴۰۶
جلد ــــ ۳۶
شمارہ ــــ ۱۲

پاکستانی قوم تضادات کا شکار ہے

قیامِ پاکستان کے بنیادی نظریات میں اسلامی عقائد اور اسلامی طرزِ معاشرت کو سرِ فہرست رکھا گیا تھا۔ اور یہی دعویٰ کیا جاتا تھا کہ پاکستان میں ہم اسلامی آئینِ حیات کو زیرِ عمل لائیں گے۔ اس کا مطلب صاف تھا کہ یہاں عقائد و اعمال میں ہندوانہ رسم و رواج اور غیر اسلامی معاشرت کو ترک کر دیا جائے گا۔ یہاں اُردو زبان رائج ہوگی اور انگریزی کی اجارہ داری ختم کر دی جائے گی۔ جرم و سزا کے سلسلے میں اسلام کا نظامِ عدل رائج ہوگا۔ اور تعلیم و تربیت اسلامی نصاب کے مطابق ہوگی۔

مگر افسوس ہے کہ ہم کسی پہلو بھی ثابت قدم نہ رہ سکے سرکاری دفاتر ہی نہیں ہمارے کاروباری اداروں میں بھی انگریزی زبان بدستور نافذ رہی۔ خط و کتابت کا اُردو انداز نہ اپنایا جا سکا۔ غرض ہر پہلو سے ہم اپنی قومی زبان کو اولیت دینے سے قاصر رہے۔ حکومت کے اداروں (محکموں) میں انگریزی اصطلاحات اور اسماء و تراکیب کی نقالی یہاں تک ہوتی رہی کہ ان کے اُردو مترادفات کو نظر انداز کیا جاتا رہا۔ ہمارے ہاں ریڈیو پاکستان کا ادارہ پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (PBC) بی بی سی کی نقالی میں قائم ہوا۔ بھارت نے تو اس کو آکاش وانی بنا دیا مگر ہم اس کو "نوائے پاک" نہ بنا سکے۔ ٹیلی ویژن کو بھارت نے "دوردرشن" کا نام دیا۔ مگر ہم اس "پی ٹی وی" کو مناسب نام نہ دے سکے۔ اُردو ادیبوں اور شاعروں کی تنظیم کو اُردو کا نام نہ ملا۔ اور اسے "رائٹرز گلڈ" کہنے پر فخر کیا گیا۔ ادبیات کی نئی تنظیم کا نام "اکیڈمی آف لیٹرز" رکھا گیا اور اس طرح اُردو ادبیات کو انگریزی کی کنیز بنا کر رکھ دیا گیا۔ اُدھر سیاستدانوں کو لیجیئے وہ بھی جب نئی سیاسی پارٹی بناتے ہیں تو اس کا نام بھی انگریزی ہی میں رکھتے ہیں۔ وہ خواہ مسلم لیگ ہو، پی ڈی پی ہو، پی پی پی ہو، ایم آر ڈی ہو ــــ ان کو بھی اپنی زبان میں کوئی نام نہیں سوجھتا۔ ہمارے تعلیمی ادارے بھی اسی صورت میں ترقی یافتہ اور جدید کہلاتے ہیں اگر ان کا نام انگریزی میں ہو اور ان کا نصاب انگلش میڈیم ہو۔

یہ ہماری انگلش نوازی ہی ہے جس نے یہاں اب تک نہ اسلامی آئین کو آگے آنے دیا۔ اور نہ اسلامی طرزِ معاشرت کو رواج پذیر ہونے دیا۔ یہ دراصل اس وجہ سے ہے کہ ہماری قوم تضادات کا شکار ہے۔ قول و عمل میں بُعد ہے۔ عقائد و نظریات میں ناپختگی نے ہمارے دینی عقائد میں بھی شکست و ریخت کی صورت پیدا کر رکھی ہے۔ اور عملی تضاد کا یہ حال ہے کہ نماز میں ایاک نعبد و ایاک نستعین پڑھنے والے فارغ ہوتے ہی اَغِثْنِیْ یَا رَسُولَ اللہ کا ورد شروع کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یا پیر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ

پڑھنے لگتے ہیں ۔ دوسری طرف شہیدانِ کربلا کی شہادت کے قائل دسواں، چالیسواں وغیرہ بھی مناتے ہیں ۔ "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" فرمانے والے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد حدیث کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں ۔ نمازوں میں ٹخنے سے ٹخنہ اور کندھے سے کندھا ملانے والے سلفی حضرات دلوں کے بُعد کو گوارا ہی نہیں کرتے بلکہ ان میں مزید دُوری پیدا کئے ہوئے ہیں ۔ آپس میں نہ ملتے ہیں نہ ملنے دیتے ہیں ۔

ان تضادات کا ذکر کرنے پہ آئیے تو ورق پہ ورق سیاہ ہوتے چلے جائیں مگر یہ ختم ہونے میں نہ آئیں ۔ ہمارے مذہبی معاشی، معاشرتی، علمی، فکری غرض ہر پہلو میں تضاد کی تصویر نمایاں ہے ۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ہم ان تضادات کو سرے سے تضاد ہی نہیں سمجھتے ۔ گویا ؏

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

علماء، خطباء، ادبا، شعرا، سیاسی زعماء اور اصحاب اقتدار سب اپنے اپنے خول میں بند ہیں ۔ کسی کو اس صورتِ حال کے تجزیے اور پھر علاج کی نہ فکر ہے نہ خواہش ۔ اور نہ فرصت ۔ !! آخر اس تمام صورتِ حال کی اصلاح کس کے ذمّے ہے ۔ ؟ ہمارے خیال میں اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے جو خود کو "اسلامی حکومت" سمجھتی ہے ۔ اور اسلام کو اصل رنگ و آہنگ میں نافذ کرنے کا دعویٰ رکھتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ دجلہ کے کنارے بھوکے مرجانے والے "کتے" کی ذمہ داری خلیفۂ وقت پر ڈالنے والا اسلامی آئین کسی کو معاف نہیں کر سکتا ۔ اسلام کو شورائی نظام سمجھنے والے یہ نہ بھولیں کہ مانعین زکوٰۃ اور فتنہ ارتداد کے سلسلے میں نرمی کا مشورہ بھی دیا گیا تھا مگر ایسے مشورے سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی میں کام نہیں آتے ۔ وہاں خلیفۂ وقت کا واحد فیصلہ ہی کام کرتا ہے ۔ اس وقت یہاں جو کچھ ہو رہا ہے زیادہ تر سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو رہا ہے اس لئے حکومت کو خود فیصلہ کرنا چاہیئے ۔ اور اپنے فیصلوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیئے ۔ اس کی زد میں خواہ "خلیفہ کا بیٹا" بھی آجائے تو معاف نہ کیا جائے ۔ نہ اصحابِ ثروت سے افہام و تفہیم کی جائے اور نہ غارت گروں کو رعایت دی جائے ۔ بلکہ کتاب و سنّت کی خلاف ورزی کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا جائے ۔ جب تک حکومت عہدِ صدیقی رضؓ و فاروقی رضؓ کو مشعلِ راہ نہ بنائے گی ۔ اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق نہیں بن سکے گی ۔ پہلے اسے خود کتاب و سنّت کی حامل بننا چاہیئے اور پھر اس کے نفاذ میں ہر کہ و مہ کی تمیز کو ختم کر کے اپنے فیصلے روبہ عمل لانے چاہئیں ۔ اس کے سوا ان بدعنوانیوں اور تضادات کو ختم کرنے کا کوئی نسخہ کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ وما علینا الا البلاغ ۔

درس منتخبات قرآن   ترتیب: پروفیسر عبداللہ شاہین

شہادت علی النّاس

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ : ۱۴۳)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں"

تفاسیر

معارف القرآن

اس آیت میں اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک امتیازی فضیلت و خصوصیت کا ذکر ہے کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی جس کے نتیجہ میں ان کو میدانِ حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء کی اُمتیں جب اپنے انبیاء کی ہدایت و تبلیغ سے مُکر جائیں گی۔ اُس وقت اُمتِ محمدیہ انبیاء کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانے میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائی۔ اور صحیح راستے پر لانے کی پوری کوشش کی۔ مدعی اُمتیں امتِ محمدیہ کی گواہی پر یہ جرح کریں گی کہ اس اُمت کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا۔ اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر؟ امتِ محمدیہ اس جرح کا یہ جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت وجود نہ تھے مگر ان کے حالات کی خبر ایک صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور اللہ کی کتاب نے دی ہے جس پر ہم ایمان لائے اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں۔

"ترجمان القرآن بلطائف البیان"

— از نواب صدیق حسن خان رحمہ —

اس اُمت کو جو اُمتِ معتدل ٹھہرایا اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم نے تم کو طرف قبلہ ابراہیم ؑ کے پھیر دیا۔ اس قبلے کو تمہارے لئے پسند کیا تاکہ تم بہترین اُمت ہو دن قیامت کے اور اُمتوں پر گواہی دو کیونکہ سب تمہارے فضل کے معترف ہیں۔ وَسَط کے معنے ہیں جگہ خیار و اجود کے ہیں۔ محاورے میں یوں کہا جاتا ہے کہ قریش وسط عرب ہیں نسب و دار میں یعنی قوم و خاندان میں وہ سب سے بہتر و افضل و اشرف و اعلےٰ ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم میں وَسَط تھے یعنی نسب میں سب سے زیادہ شریف تھے۔ اس وجہ سے نمازِ عصر کو صلوٰۃِ وُسطےٰ کہتے ہیں، کہ وہ افضلِ صلوات ہے۔ سو جب اللہ نے اس اُمت کو وسط ٹھہرایا تو اس کو خاص بھی کیا۔ ساتھ اکمل شرائع اقوم مناہج اوضح مذہب کے۔ جس طرح فرمایا ہے۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔[1] ابوسعید کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے بُلائے جائیں گے نوحؑ دن قیامت کو پھر ان سے

---

[1] اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل، دین تمہارے باپ ابراہیم کا اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان حکم بردار پہلے سے اور اس قرآن میں، تا رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر۔

کہا جاوے گا کہ تم نے پہنچا دیا؟ وہ کہیں گے ہاں ان کی قوم بلائی جاوے گی۔ اُن سے کہا جائے گا تم کو نوحؑ نے ہمارا حکم پہنچا دیا۔؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ ایک بھی تو نہ آیا۔ نوحؑ سے کہیں گے کہ تمہارا کون ہے؟ وہ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اُمت ہے۔ فرمایا مطلب ہے اس آیت کا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ الآیۃ ۲ پھر فرمایا کہ وسط کہتے ہیں عدل کو یعنی معتدل کو سو تم بلائے جاؤ گے نوحؑ کے لئے گواہی بلاغ کی دو گے میں تم پر گواہی دوں گا۔ رواہ احمد والبخاری والنسائی وابن ماجہ۔

دوسرا لفظ ابو سعید خدری کا مرفوعًا یہ ہے آئے گا ایک نبی دن قیامت کے اُس کے ساتھ دو آدمی یا زیادہ ہوں گے۔ پھر اس کی قوم کو بلا کر کہا جائے گا کہ اس نے تم کو ہمارا حکم پہنچا دیا۔ وہ کہیں گے نہیں۔ اُس سے کہیں گے کیوں تم نے قوم کو ہمارا حکم پہنچا دیا۔ وہ کہیں گے ہاں۔ کہیں گے بھلا تمہارا کون شخص گواہ ہے؟ وہ کہے گا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی اُمت۔ اس پر محمدؐ اور ان کی اُمت بلائی جائے گی۔ اُن سے کہیں گے کیوں اس نبی نے اپنی قوم کو ہمارا حکم پہنچا دیا تھا۔؟ وہ کہیں گے ہاں پہنچا دیا تھا۔ اُن سے کہیں گے تم نے کیوں کر جانا؟ وہ کہیں گے ہمارے نبی نے آئے انہوں نے ہم کو خبر دی کہ رسولوں نے جو حکم تھا وہ پہنچا دیا۔ یہ مطلب ہے اللہ پاک کے اس قول کا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا۔ الآیۃ۔ رواہ احمد۔

جابر بن عبداللہ مرفوعًا کہتے ہیں کہ ہم اور ہماری اُمت دن قیامت کے ایک ٹیلے کے اوپر سے جھانکتی ہوگی۔ کوئی آدمی نہ ہوگا۔ مگر یہ چاہے گا کہ وہ ہمارے گروہ میں سے ہوتا۔ کوئی نبی نہ ہوگا جس کو اس کی قوم نے جھٹلایا ہے مگر ہم گواہی دیں گے کہ اس نے رسالت اپنے رب کی پہنچا دی۔ رواہ ابن مردویہ وابن ابی حاتم

۲ اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امتِ معتدل کہ تم ہو بتلانے والے لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتلانے والا۔ الخ

دوسرا لفظ جابرؓ کا یہ ہے کہ آئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازہ بنی سلمہ پر اور میں پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا۔ بعض نے کہا اے رسولِ خدا یہ کیا اچھا آدمی تھا پارسا مسلمان اُس پر ثنا وخیر کی فرمایا تو ذمہ دار ہے اس بات کا، اس نے کہا چھپا حال اللہ جانے لیکن جو ہم کو ظاہر ہوا وہ یہی حال تھا فرمایا جنت واجب ہوگئی۔ پھر ایک دوسرے جنازے پر بنی حارثہ میں آئے۔ وہاں بھی میں آپ کے ساتھ تھا کسی نے کہا اے رسولِ خدا یہ کیا بُرا آدمی تھا بد مزاج سخت طبع۔ اس پر ثناء بد کی۔ فرمایا تو ذمہ دار ہے اس بات کا۔ اُس نے کہا چھپا حال اللہ جانے جو ہم کو ظاہر ہوا وہ تو یہی حال تھا۔ فرمایا۔ دوزخ واجب ہوگئی۔ مصعب کہتے ہیں محمد قرظی نے کہا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ پھر یہ آیت ۱ پڑھی۔ وَلِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الآیۃ۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے شیخین نے اس کو روایت نہیں کی

ابو الاسود کہتے ہیں۔ میں مدینے کو آیا وہاں بیماری تھی لوگ لگا تار مرتے تھے۔ میں پاس عمر بن خطابؓ کے بیٹھا۔ ایک جنازہ گذرا۔ اس کو لوگوں نے اچھا کہا۔ انہوں نے فرمایا واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گذرا۔ اس کو بُرا کہا۔ عمرؓ نے کہا واجب ہوگئی۔ میں نے کہا اے امیر المومنین کیا چیز واجب ہوگئی۔ کہا جس طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ وہی بات میں نے کہی۔ جس مسلمان کے لئے چار شخص گواہی بھلائی کی دیتے ہیں اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ میں نے کہا اور تین کہا۔ تین بھی۔ میں نے کہا دو؟ کہا دو بھی۔ پھر میں نے ایک کی گواہی کا حال نہیں پوچھا۔ رواہ احمد وکذا رواہ البخاری والترمذی والنسائی۔

۱ اور تو بتانے والا لوگوں پر۔ سو کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ۔ اور گہو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے سو خوب صاحب ہے اور خوب مددگار۔

(باقی ص۹ پر)

احکام و مسائل

مولانا ابو السلام محمد صدیق سرگودھا

• والد اور والدہ میں سے کس کے حکم کو ترجیح دی جائے • طلاق کے بارے میں والدین کے حکم کی حیثیت
• باپ کو قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے یا نہیں • "مجلس واحد" سے کیا مراد ہے ــــ؟
• صلہ رحمی کے تقاضوں کی وضاحت •

سوالات

۱۔ والد اور والدہ میں اختلاف ہو کر ہر ایک اپنی اولاد کو اپنی خواہش کے مطابق حکم کی تعمیل کروانا چاہے تو کس کی اطاعت کو ترجیح دے۔

۲:۔ والد یا والدہ کے حکم پر بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ خواہ والد واضح طور پر بلا عذر اپنی کم عقلی یا بغض و تعصب یا کسی خاندانی بدلہ لینے کی خاطر ایسا کرنا چاہے؟

۳:۔ والد اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس کا قصاص ہے یا نہیں؟

۴:۔ مجلس واحد سے کیا مراد ہے۔ اگر ایک شخص ایک مجلس میں ایک طلاق دینے کے بعد باقی دو مختلف مجالس میں پہلے طہر میں ہی دو مزید طلاقیں دے دے تو کیا وہ ایک ہی شمار ہوں گی یا تین لاگو ہوں گی۔

۵۔ صلہ رحمی کا تقاضا رشتہ داروں میں نکاح کرنا ہے یا حسن سلوک مراد ہے؟ اگر رشتہ داروں میں ہم کو رشتہ نہ مل سکے اور غیر رشتہ داروں میں دینی، اخلاقی اور ہر لحاظ سے بہتر رشتہ مل سکے تو کیا رشتہ داری کو ترجیح دینی چاہیئے یا غیروں کو؟

(سائل عبد القدوس سلفی سال سوم انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور ۳۱)

جواب

۱۔ والد اور والدہ میں اختلاف ہو۔ اور ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق بیٹے سے اپنے حکم کی تعمیل کروانا چاہے تو ایسی صورت میں والد اور والدہ میں سے جس کا حکم اس کی خیر خواہی اور دینی مصلحت پر مشتمل یا اقرب ہو اس کی تعمیل کرے۔

حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر غلاما بین ابیہ وامہ (ترمذی) یعنی "حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ یا ماں کی طرف جانے کا لڑکے کو اختیار دے دیا" لہ

۲۔ والدین کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آنا اور ان کی اطاعت کرنا، اس کی اللہ تعالیٰ نے تاکیدی ہدایت فرمائی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ "میرا شکریہ ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر والدین یا ان میں سے کوئی ایک طلاق دینے کا حکم دیں تو ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے طلاق دے دینی چاہیئے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ ایک شخص حضرت ابو الدرداء کے پاس آیا اور بیان کیا کہ میری ماں طلاق دینے کا مجھ کو حکم دیتی ہے (مجھے کیا کرنا چاہیئے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ والد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اگر چاہے تو اس کی حفاظت کر یا اس کو ضائع کر دے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ والدین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے طلاق دے دینی چاہیئے۔

لہ زیر بحث سوال جواب سے اس حدیث کا تعلق سمجھ میں نہیں آیا (ص،ا)

شرط یہ ہے کہ والد دیندار ہو۔ اور طلاق اس کے اپنے
دل کی آواز ہو۔ طلاق کا باعث والدین کی کم عقلی، تعصب، ضد
اور انتقام اور بے دینی نہ ہو۔ منذری کے حاشیہ میں ہے کہ
حضرت ابراہیم پہلے وہ شخص ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو طلاق
دینے کا حکم دیا اور بیٹے نے طلاق دے دی۔ حقیقت یہ
ہے کہ والدین کے ساتھ مہر و احسان کا تقاضا یہ ہے کہ والدین
جس بات کو مکروہ جانیں اولاد بھی جانے اور والدین جس بات
کو اچھا سمجھیں اولاد بھی اچھا سمجھے۔

آگے لکھا ہے ھذا اذا کان الاب من اھل
الدین یحب فی اللہ و یبغض فی اللہ۔ یعنی "طلاق کے
بارہ میں والد کے حکم کی تعمیل اس وقت ہے جب والد دیندار
ہو۔ اللہ کے بارہ میں محبت کرتا ہو اور اللہ کے بارہ میں دشمنی
کرتا ہو اور اہلِ ہوا یعنی نفس پرست نہ ہو۔ اگر والد ان امور
سے مبرا نہیں ہے تو اس صورت میں لڑکے کے ذمہ طلاق
دینا واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر لڑکا طلاق دینا چاہے
تو اس کی اپنی مرضی ہے۔ اس تے حق کے بارہ میں باپ کی
اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مختصر سنن ابی داؤد
للمنذری ج ۸ ص ۳۵۔

اس بات کی تائید مستدرک حاکم کی اس حدیث سے
بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہے کہ میری
ایک بیوی ہے وہ مجھے پسند ہے لیکن میرے باپ کو ناپسند ہے انہوں نے
حکم دیا ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں مگر میں نے اس کو طلاق دینے
سے انکار کر دیا ہے میرے اس انکار کو سن کر میرے باپ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بیان کیا۔

تَكْرَهُهَا فَأَمَرَتْهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَأَبَى
فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا
عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ طَلِّقِ امْرَأَتَكَ وَأَطِعْ أَبَاكَ
قَالَ عَبْدُ اللهِ فَطَلَّقْتُهَا۔ (مستدرک حاکم ج ۲،
ص ۱۵۲-۱۵۳)" حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس عورت
کو مکروہ جانتا ہوں۔ میں نے عبداللہ کو کہا ہے کہ اس کو طلاق
دے دے۔ وہ انکار کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تو اس عورت کو طلاق دیدے
اور اپنے باپ کی اطاعت کر۔ چنانچہ میں نے اس کو طلاق
دے دی۔" اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ باپ طلاق
کا حکم دے تو طلاق دے دینی چاہیئے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ
طلاق میں باپ کے خیر خواہانہ جذبات کارفرما ہوں۔ بیٹے کی
خیر خواہی ملحوظ خاطر ہو۔ بیرونی دباؤ، طمع، انتقام کا اس میں
قطعی دخل نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ کرھتھا
یعنی "میں اس عورت کو مکروہ جانتا ہوں" اس لفظ میں کراہت
کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف ہے۔ یعنی حضرت عمرؓ کا یہ
حکم طمع، انتقام اور بیرونی دباؤ سے مبرا تھا اور یہ ان کا اپنا
نظریہ تھا۔

امام احمدؒ کا بھی اسی قسم کا فتویٰ ہے۔ چنانچہ ایک
آدمی نے ان سے دریافت کیا کہ میرا باپ مجھ کو طلاق دینے کا
حکم دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لا تطلقها قال الیس
عمر امر ابنه عبد الله ان یطلق امرأته قال
حتی یکون ابوك مثل عمر (طبقات حنابلہ
جزء اول ص ۱۷۱) "طلاق مت دو۔ اس نے کہا کیا
عمرؓ نے اپنے بیٹے کو بیوی کو طلاق دینے کا حکم نہیں دیا تھا
امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہے جب تیرا باپ عمرؓ
جیسا ہو۔" یعنی دیندار ہو اور اس کا قول و فعل تعصب، ضد
اور انتقامی کارروائی سے مبرا ہو محض دینی مقصد اور بیٹے کی
خیر خواہی ملحوظ خاطر ہو۔

۳۔ باپ اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس سے قصاص
لیا جائے گا یا نہیں۔ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے ابن
ابن عبدالحکم، ابن المنذر کا قول ہے کہ جن آیات و احادیث
قصاص کا بیان ہے۔ ان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ باپ
نے بیٹے کو قتل کیا ہے تو اس سے اور بیٹے نے باپ کو قتل

ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ مگر اس بارے میں راجح مذہب یہ ہے کہ باپ نے بیٹے کو قتل کیا ہے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا یقتل والد بولدہ یعنی بیٹے کا قصاص باپ سے نہیں لیا جائے گا، اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

بیٹے اور بیٹے کے مال کا مالک باپ ہے۔ حدیث میں ہے اَنتَ وَمَالُکَ لِاَبِیکَ۔ نیز اولاد کے ایجاد کا سبب باپ ہے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر بیٹے کا قصاص باپ سے لینا درست نہیں (مغنی ابن قدامہ ج ۹، ص ۳۵۹)

۴:۔ مجلس واحد سے مراد بظاہر تو وہی مجلس ہے جس میں تین طلاق دی گئی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے مجلس واحد کا اطلاق طہر کی پوری مدت ہے جس میں ہمبستری نہیں کی گئی[1]۔ اس پورے طہر میں ایک کلمہ سے تین طلاق دی جائیں یا کئی کلمات سے پے در پے طلاقیں دے یا طہر کے مختلف اوقات میں تین یا سو طلاقیں یا ہزار طلاقیں دے۔ اس قسم کی طلاقوں کے بارے میں علماء کے تین اقوال مشہور ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ طلاق مباح اور لازم ہے یہ قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور خرقی نے اس کو اختیار کیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا قدیم قول یہی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس طرح کی طلاق تو حرام ہے لیکن وہ لازم ہے۔ امام احمدؒ کے اکثر اصحاب کا یہ قول ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس قسم کی طلاق تو حرام ہے لیکن اس سے ایک طلاق لازم آتی ہے۔ صحابہؓ میں سے سلف اور خلف سے یہ قول منقول ہے۔ زبیر بن العوامؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت علیؓ۔ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کا بھی یہ قول ہے۔ بے شمار تابعینؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے کتاب و سنت کی روشنی میں اسی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ میرا رجحان بھی اسی طرف ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۳۳، ص ۸)

۵:۔ رشتہ داروں کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آنا اور ہر کارِ خیر میں ان کو شریک رکھنا ان کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اس قسم کے تمام امور صلہ رحمی کا باعث ہیں۔ اگر رشتہ داروں میں دیندار لڑکا نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ برادری سے باہر رشتہ نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بارے میں حسب و نسب، مال و دولت، حسن و جمال کے بجائے دین کو مقدم رکھا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

[1] "مجلس واحد" کو پورے طہر تک وسعت دے دینا محل نظر ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جب تک شرعی دلائل سے اس نقطۂ نظر کو ثابت نہ کر دیا جائے اس کے مطابق فتویٰ دینا صحیح نہیں۔ ہمارے خیال میں "مجلس واحد" کا مفہوم وہی ہے جو اس کا متبادر معنی ہے یعنی جس میں تفرق بالابدان نہ ہو۔ تفرق بالابدان کے ساتھ مجلس واحد ختم ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے مختلف مجلسوں میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی چاہے ایک ہی طہر میں دی گئی ہوں صرف وہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوں گی جو بیک وقت ایک مجلس میں دی گئی ہوں (ص، ی)

بقیہ • شہادت علی النّاس

ابو زہیر ثقفی نے کہا: میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے قریب ہے کہ جان لو گے تم اپنے نیکوں کو بدوں سے کہا کیونکر فرمایا ثناء نیک ثنائے بد سے/ تم اللہ کے گواہ ہو زمین میں۔ رواہ ابن مردویہ و ابن ماجہ و احمد۔ شہادت الامم میں لفظ علی کو ناس پر مؤخر کیا شہادت رسول میں مقدم فرمایا۔ یہ اس لئے کہ اول میں غرض اثبات شہادت امت اسلام ہے اور امتوں پر اور ثانی میں اختصاص ہے امت اسلام کا ساتھ گواہ ہونے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر اسی کے مثل یہ آیت ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

مولانا عبدالغفار حسن حفظہ اللہ

اسلامی ریاست اور جماعت سازی

اس وقت اہم ضرورت یہ ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں یہ دیکھا جائے کہ کیا اسلامی ریاست میں مختلف جماعتیں بنانا جائز ہے؟ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ابتدائی دور میں تمام بنی آدم ایک ہی اُمت تھے۔ ان میں کوئی اختلاف و انتشار نہ تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ اُمت فرقوں اور جماعتوں میں بٹ گئی اور آپس میں ایک دوسرے کی دشمن بن گئیں۔

(نمبر ۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آیت نمبر ۲۱۳ سورہ بقرہ پ (۲) " كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ الآیۃ

ترجمہ و تشریح " ابتداء میں سب لوگ ایک اُمت تھے (لیکن پھر اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ تعالےٰ نے نبی بھیجے۔ جو راست روی پر بشارت دینے والے، اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کے پیدا ہونے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ابتداء میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا) اختلاف اُن لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا، انہوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لئے حق چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے " الخ۔

(نمبر ۲) سورہ یونس آیت نمبر ۱۹ پارہ نمبر ۱۱ (وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا) الآیۃ۔ ترجمہ :۔ " لوگ (ابتداء میں) ایک ہی اُمت تھے لیکن پھر ان میں اختلاف برپا ہو گیا "

(نمبر ۳) إِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً "

(سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۹۲) پارہ نمبر ۱۷) سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۵۲) پارہ نمبر ۱۸) ان آیات سے قبل اللہ تعالےٰ نے متعدد انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ یہ تمہاری اُمت ہے ایک ہی اُمت، یعنی سب کا دین اور عقیدہ ایک ہی تھا۔ اس لحاظ سے وہ ایک ہی اُمت تھے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ انبیاء کرام مختلف زمانوں میں گزرے۔ اس کے باوجود ان کو ایک ہی اُمت قرار دیا گیا ہے۔

مشہور عالم لغت، راغب اصفہانی اپنی مستند کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں۔ الامّۃ : كُلُّ جَمَاعَةٍ يَجْمَعُهُمْ أَمْرٌ مَّا، إِمَّا دِيْنٌ وَاحِدٌ أَوْ زَمَانٌ وَاحِدٌ أَوْ مَكَانٌ وَاحِدٌ، ص ۲۱ ۔ یعنی " اُمت ہر اُس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد کے درمیان ایک دین مشترک ہو۔ یا وہ ایک زمانے میں پائے جاتے ہوں۔ یا ایک جگہ موجود ہوں "

اس وضاحت سے ظاہر ہوا کہ اگر چند افراد کے درمیان دین، عقیدہ یا نظریہ مشترک ہو تو ان افراد پر " اُمت " کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ آج کل کی مذہبی یا سیاسی جماعتوں کی طرح منظم نہ ہوں، تنظیم کا مفہوم، لفظِ اُمت کے معنیٰ کا جزو نہیں ہے۔ اور نہ اس کی حقیقت میں شامل ہے۔ ان معروضات کی تائید حسب ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔ سورہ قصص آیت نمبر ۲۳) پارہ نمبر ۲۰) وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ) الآیۃ۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر پہنچے تو

لوگوں میں سے ایک اُمت کو وہاں پایا۔ جو افراد وہاں جمع تھے۔ سب کا ایک ہی مقصد تھا یعنی کنوئیں سے پانی حاصل کرنا، اس لئے اُن کو ایک اُمت قرار دیا گیا۔

کیا وہ آج کی پارٹیوں کی طرح منظم بھی تھے؟

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد اب آیت (وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ) الآیۃ۔ سورۃ آل عمران میں وارد لفظ "اُمت" کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آسکتی۔ اس آیت کو آج کل کے "مذہبی" فرقوں یا سیاسی پارٹیوں پر چسپاں کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے قبل فرمایا گیا ہے

(نمبر ۴) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا) الآیۃ سورہ آل عمران۔ آیت نمبر ۱۰۳) یعنے "اللہ تعالیٰ کی رسی (قرآن مجید) کو سب اکٹھے ہو کر مضبوطی سے پکڑو اور (آپس میں) تفرقہ بازی سے بچو" نیز اس کے بعد فرمایا

(نمبر ۵) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ) سورہ آل عمران آیت ع ۱۰۵)

"اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور اختلافات کا شکار ہو گئے واضح ہدایات پانے کے بعد، یہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے"

اصل واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا مطالبہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ ایک اُمت بن کر رہے۔ اور مختلف پارٹیوں میں بٹ کر افتراق و انتشار کا شکار نہ ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) الآیۃ۔ سورہ آل عمران آیت ع ۱۱۰) یعنی "بہترین اُمت تم ہو، جسے انسانوں کی ہدایت کے لئے برپا کیا گیا ہے" اس آیت میں پوری اُمتِ مسلمہ کو خیر اُمت (بہترین اُمت) قرار دیا گیا ہے۔

(نمبر ۶) قرآن مجید میں یہ بات واضح طور پر بتا دی گئی ہے۔ کہ حق و باطل کے لحاظ سے دنیا میں صرف دو گروہ ہیں۔

نمبر ۱، حزب اللہ نمبر ۲، حزب الشیطان جیسا کہ فرمایا۔ (اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ) الآیۃ۔ یعنی "شیطان ان پر غالب آگیا ہے اور اس نے خدا کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے، وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں" (پارہ ع ۲۸ سورہ مجادلہ آیت نمبر ۱۹)

دوسرے گروہ کے بارے میں فرمایا (رضی اللہ عنھم) الآیۃ "اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ سنو اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے" سورہ مجادلہ آیت نمبر ۲۲) پارہ نمبر ۲۸)

شیطان اپنی پارٹی کو کدھر بھیجتا ہے اس کا جواب بھی قرآن مجید نے دے دیا ہے (إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ) "وہ تو اپنے گروہ کو (اپنے راستے پر) اس لئے بلا رہا ہے کہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائے" سورۃ فاطر آیت نمبر ۶) پارہ نمبر ۲۲)

حزب الشیطان یعنی شیطان کی پارٹی اپنی فاسد اغراض کی بناء پر مختلف جماعتوں اور گروہوں میں بٹ گئی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "یہ انبیاء کی جماعت ایک اُمت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو، مگر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اُسی میں مگن ہے" (سورۃ المومنون آیت نمبر ۵۳، پارہ نمبر ۱۸)

افسوس ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو وحدت کا سبق سکھایا گیا تھا۔ لیکن وہ مختلف فرقوں اور متحارب پارٹیوں میں تقسیم ہو گئی حالانکہ قرآن مجید نے اس قسم کی فرقہ بندی، جماعت سازی اور پارٹی بازی سے منع فرمایا ہے۔

(نمبر ۷) قرآن مجید میں ارشاد ہے (وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا) سورہ روم۔ آیت نمبر ۳۲) پارہ نمبر ۲۱) یعنی "مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پارٹیوں میں بٹ گئے" دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ دین کے تمام اجزاء کو یکساں اہمیت دینے کے بجائے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک جز کو اہمیت دی جائے اور باقی اجزاء کو نظر انداز کر دیا جائے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر فرقہ یا جماعت کا پسندیدہ جز و اُس کا شعار بن گیا اور دوسرے اجزاء کے تقاضے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اسی مفہوم کو قرآن مجید نے دوسری جگہ ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

(وَجَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْنَ - الحجر - ۹۱) یعنی "قرآن مجید کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا" یعنی اس کتاب کو جو قرآن مجید کی طرح ان کو دی گئی تھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کے کسی حصہ کی پیروی کی اور کسی حصہ کو پس پشت ڈال دیا" اس سے قبل ضمنی طور پر اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو تفرقہ اور اختلاف کا شکار ہو گئے۔ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۵، پارہ نمبر ۳)

مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور بہت سی جماعتوں میں تقسیم ہو گئے، مسلمان ان کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ اس آیت کی تشریح حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ تمام فرقے دوزخ کا ایندھن بنیں گے مگر ایک ملت (جماعت) اس عذاب سے محفوظ رہے گی، لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ جماعت کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ۔ یعنی" جو جماعت اس طریقے پر قائم رہے گی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ حقیقت میں وہی نجات یافتہ ہیں۔"

(جامع ترمذی، ابواب الایمان - باب افتراق ھذہ الامۃ حدیث نمبر ۲۷۷۸۔ طبع مصر) یہ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ مثلاً (۱) ابوداؤد کتاب السنۃ (۲) ابن ماجہ، کتاب الفتن (۳) مسند احمد ج ۲ صفحہ ۳۳۲۔ اور ج ۳ صفحہ ۱۲۵۔ اور ایک دوسری روایت[۱] میں ہے۔

وھی الجماعۃ۔ یعنی" نجات پانے والا گروہ وہی "الجماعۃ" ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب طبرانی میں ابوامامہ سے مروی ہے کہ یہ سب فرقے ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہوں گے مگر "سوادِ اعظم" صحابہ کرام نے دریافت کیا" سوادِ اعظم" کون ہے۔؟ آپ نے فرمایا جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ اختیار کریں گے، وہی "سوادِ اعظم" ہیں۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ "الجماعۃ" "سوادِ اعظم" اور" ما انا علیہ واصحابی" سب کا مصداق ایک ہی ہے۔

عباراتنا شتّٰی وحسنك واحدٌ
وکلٌّ الی ذاك الجمال یُشیر

الجماعۃ کا لفظ جہاں کہیں بھی آیا ہے وہاں یہی مفہوم مراد ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ) یعنی" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کو ضلالت پر اللہ تعالیٰ جمع نہیں فرمائے گا اور" الجماعۃ " پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اور جو الگ ہو گیا تو وہ دوزخ میں بھی تنہا ہی ہو گا۔"

اس حدیث کی تشریح شارحین نے ان الفاظ میں کی ہے۔ قال الجزری ای ان الجماعۃ المتفقۃ من اھل الاسلام فی کنف اللہ ووقایتہ وھم بعید عن الخوف والاذی ..... الخ

یعنی" الجماعۃ" سے مراد مسلمانوں کی اتفاق والی جماعت مراد ہے۔ یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں رہے گی اور خوف و تکلیف سے دور رہے گی۔ لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں علامہ الفتنی رقمطراز ہیں۔

ای سکینتہ ورحمتہ مع المتفقین و ھم بعید من الخوف والاذی والاضطراب فاذا تفرقوا زال السکینۃ واوقع بأسھم بینھم وفسد الاحوال۔ یعنی" یداللہ علی الجماعۃ"

[۱] ملاحظہ ہو ابوداؤد اور مسند احمد۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے رحمت و سکینت
پر نازل ہوتی ہے جو آپس میں اتفاق و اتحاد رکھتے ہیں، اور
ں خوف والم اور اضطراب سے محفوظ رہتے ہیں اور جب یہ
ق اور انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں تو سکون و اطمینان کی
ت ان سے چھن جاتی ہے اور ان کے درمیان آپس میں جنگ
ہو جاتی ہے اور ان کے حالات میں فساد اور بگاڑ رونما
جاتا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرعاۃ المفاتیح
ح مشکوٰۃ المصابیح۔ ج ۱ صفحہ ۲۶۰ بحوالہ مجمع البحار،
نہایہ، ابن الاثیر، الجزری۔ کیا جنگ و جدال اور فساد و
ار کی حالت آج کل مذہبی فرقوں اور سیاسی پارٹیوں میں
پائی جاتی۔ جس طرح اہل کتاب میں ایک فرقہ دوسرے کا
ن تھا، یہی حال ہمارے ہاں فرقوں اور پارٹیوں کا ہے۔
ص طور پر الیکشن کے زمانے میں تو یہ اختلاف و عناد نقطۂ عروج
پہنچ جاتا ہے اور گہرے لنگوٹیے دوست ایک دوسرے کے
ن کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ حدیث مذکور میں "ید اللہ
الجماعۃ" فرمایا گیا ہے۔ "ید اللہ علی الجماعات"
فرمایا گیا۔ موجودہ حالات میں نہ صرف ہمارے ملک میں
تمام عالم اسلام میں امت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ دو متحارب
وں اور پارٹیوں نے ایک طوفان بدتمیزی بپا کیا ہوا ہے۔ یہ
ی محاذ آرائی بھی اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالےٰ کا
ب اس طرح بھی قوموں پر آتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ۔۔۔
یلبسکم شیعا، یعنی "اللہ تعالےٰ اس پر قادر ہے کہ
عذاب تم پر اوپر سے نازل کرے یا تمہارے قدموں کے
سے لائے یا تم کو ٹولیوں میں تقسیم کر دے کہ پھر تم میں سے
دوسرے کو جنگ و جدال کا مزہ چکھائے" (سورۃ انعام
نمبر ۶۰ پارہ ۷) یہی وہ عذاب تھا جو فرعون کے ہاتھوں
سرائیل پر مسلط کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے
نَّ فرعونَ علا فی الارضِ وجعلَ اھلھا

شیعًا - الآیۃ) "بے شک فرعون نے زمین میں
برتری اختیار کی اور اسے اس کے باشندوں کو پارٹیوں اور
ٹولیوں میں بانٹ دیا۔ سورہ قصص آیت نمبر ۳، پارہ نمبر ۲۰)
موجودہ دور میں فرعون کی جگہ جمہوری نظام نے لے لی ہے (باقی)

مولانا [illegible] رحمٰن
شیخ الحدیث دارالعلوم تفہیم القرآن مردان

عورت کی دیت کا مسئلہ کافی عرصے سے زیر بحث ہے۔ اہل سنت والجماعت کے پانچوں مکاتب فکر حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور اہل حدیث کی متفقہ رائے یہی ہے کہ عورت کے قتل خطا کی دیت نصف ہے۔ شیعہ حضرات کی فقہ جعفریہ میں بھی عورت کی دیت نصف ہے اور ابن علیہ اور الاصم کے بیہودہ قول کے علاوہ پوری امت مسلمہ کا تعامل و تواتر اور سنت خلفاء راشدین بھی یہی ہے۔ حکومت پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل اور مجلس شوریٰ کی رائے بھی قوم کو معلوم ہو گی کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ ملک کے اندر اور باہر مختلف مکاتب فکر کے جو مستند مراکز فتویٰ اور تعلیمی و تحقیقی ادارے ہیں ان مراکز اور اداروں کا فتویٰ بھی عورت کی دیت نصف ہونے کے حق میں ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس مسئلے کو زیر بحث نہ لایا جاتا اس لئے کہ یہ اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان اجماعی مسئلہ ہے اور اس کی دلیل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سنت خلفائے راشدین، اجماع صحابہ اور تعامل امت ہے لیکن حیرت بھی ہے اور افسوس بھی کہ جناب پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب کو اس اجماع اور تعامل امت سے اختلاف ہے۔ فی نفسہ اختلاف رائے کوئی بری چیز نہیں ہے لیکن اجماع صحابہ، تعامل امت، آئمہ اربعہ، فقہ ظاہریہ اور فقہ جعفریہ سب کی متفقہ رائے سے اختلاف کرنا تعجب انگیز بھی ہے اور افسوسناک بھی ہے کیونکہ خیر القرون سے ہر عصر اور دور کے اجماعی فہم و یقین سے اختلاف کی خلیج کھینچنا بجائے خود بعض اوقات اجتہاد کو ختم کرتا ہے۔

محترم قادری صاحب نے نوائے وقت کے ایک ہی ایڈیشن میں دعویٰ کیا ہے اور چیلنج دیا ہے کہ عورت کی دیت کے نصف ہونے کے ثبوت میں کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ صحت اور اقوال صحابہ کا ثبوت تو تفصیل کر دیا جائے گا لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قادری صاحب کا دعویٰ صحیح ہے تو پھر میں درخواست کروں گا کہ عورت کے قتل خطا کی دیت کے نصف ہونے کے خلاف (زخموں کی دیت کے بارے میں نہیں) کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا کوئی قول پیش کیا جائے تاکہ اجماع کے دعوے کو غلط ثابت کیا جا سکے۔

پروفیسر محمد وارث میر صاحب کے علاوہ کسی نوائے وقت کے ہی ایڈیشن میں قادری صاحب کا شائع شدہ انٹرویو وارث میر صاحب نے لیا ہے۔ دو پروفیسروں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی تمہید میں جناب میر نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ اقبال کے خیال میں پانچ سو سال تک اسلام اس لیے جامد اور غیر متحرک رہا ہے کہ مسلمانوں نے اصول تغیر کو نظر انداز کر رکھا ہے اور اسلام کی ہیئت ترکیبی میں جو اصول حرکت کار فرما ہے اسے اجتہاد کہتے ہیں۔ نئی نسل کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل خود تلاش کرے۔ وہ سلف کے علمی سرمایہ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں لیکن اسلاف کے فیصلے ان کے راستے میں روک نہیں بن سکتے۔

اس سلسلے میں مجھے پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں تھا جسے اقبال نے آ کر کھولا ہو۔ سورۃ النساء ۸۳ اور توبہ ۱۲۲ میں استنباط و تفقہ کا حکم دیا گیا ہے۔ بیس آیات میں لفظ فقہ، چار آیات میں لفظ تدبر، اٹھارہ آیات میں لفظ فکر، انچاس آیات میں لفظ عقل اور ایک سو بتیس آیات میں عقل کے قریب المعنی لفظ قلب کا ذکر آیا ہے۔ ان تمام آیات میں غور و فکر اور فقہ و اجتہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر منصوص مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے دیانتدار ماہرین شریعت کے اجتماعی اجتہاد و مشاورت کا حکم دیا ہے (مجمع الزوائد) حضرت معاذ بن جبل کو اجتہاد کرنے کی اجازت دی ہے (ابوداؤد) حضرت ابوبکر و عمر کی مستقل پالیسی تھی کہ غیر منصوص نئے مسائل کا حل مسلمانوں کے نمائندہ علماء و فقہا (رؤس الناس) کے اجتماعی اجتہاد و مشاورت کے ذریعے تلاش کرتے تھے۔ (سنن دارمی۔ سنن کبریٰ از بیہقی۔ مسند احمد) حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام اپنے مشہور مکتوب میں نصوص کے نہ ملنے کی صورت میں قیاس و اجتہاد سے کام لینے کی ہدایت فرمائی تھی (سنن دار قطنی، سنن بیہقی۔ کنز العمال) یہ بات بھی امر واقعہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اجتہاد کو نظر انداز کر رکھا ہے اس لئے اسلام جامد اور غیر متحرک رہا ہے۔ اسلامی فقہ کی کتابوں میں ہزاروں مسائل مدون شکل میں موجود ہیں اور ہر نئے مسئلے کا جواب ان کتابوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ آج کے دور جدید میں بھی جدید ترین مسائل پر اجتہاد و تحقیق کا کام ہو رہا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اسلاف کے فیصلے نئی نسل کے راستے میں روک نہیں بن سکتے تو اس بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ اسلاف کی انفرادی اور شخصی آرا تو نئی نسل کے فقہاء علماء کے راستے میں یقیناً روک نہیں بن سکتیں مگر سنت رسول، سنت خلفائے راشدین اور اسلاف کے اجماعی فیصلے یقیناً روک بن سکتے ہیں۔ اگر نصوص اور اجماعی مسائل میں بھی "نئے مجتہدین" کو "نئے اجتہاد" کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو وہ بے لگام آزادی رائے ہو گی جسے کوئی بھی اسلام کا علمبردار شخص جائز نہیں ٹھہرا سکتا۔ اجتہاد کا راستہ کھلا ہے اسے نہ کسی نے بند کیا ہے اور نہ کوئی علمی تحقیق کا راستہ بند کر سکتا ہے لیکن اجتہاد کا دائرہ محدود ہے غیر محدود نہیں ہے۔ مشروط ہے غیر مشروط نہیں ہے۔

۱۔ نئے حل طلب مسائل میں اجتہادی فیصلے کئے جائیں

گے۔ نصوص یا اجماع کے ذریعے پہلے سے طے شدہ مسائل
ں اجتہاد آرائی اور رائے زنی کی اجازت اسلام نے
کبھی دی۔

۲۔ پہلے سے طے شدہ احکام کو حالات حاضرہ پر منطبق
رنے کے لئے بھی اجتہاد کرنا پڑے گا۔

۳۔ اسلام اور آئمہ اجتہاد کے درمیان اختلافی مسائل
ں حالات کے تقاضوں، ضرورت اور مصلحت کے پیش نظر کسی
ں رائے کو ترجیح دینے کے لئے بھی اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔

۴۔ مباحات و مصالح مرسلہ کے وسیع دائرے میں
صالح، استحسان، مفاد عامہ یا عرف و رواج کے مطابق قانون
ازی کرنے کے لئے بھی اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔

مذکورہ بالا امور میں بھی اجتہاد کا حق ظاہر ہے کہ ہر کس و
ں کو حاصل نہیں ہے۔ "اجتہاد کم نظران" کی جن
ہلوں کی طرف اقبال نے اشارات کئے ہیں ان سے تو پروفیسر
احب بھی واقف ہیں بلکہ اس کے لئے اجتہادی بصیرت و
ت اور تفقہ و دیانت دونوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔'

۔ مجتہدین کے وضع کردہ اصول اجتہاد کو ملحوظ رکھنا بھی
وری ہوتا ہے۔ یہ اصول اجتہاد فقہا کے من گھڑت
ں ہیں بلکہ قرآن و سنت سے ثابت شدہ یا مستنبط اصول
۔ امور جیسے اور سائنس و ٹیکنالوجی کے دائرے میں
ئے انکشافات و تجربات کرنے کی تو آزادی دی جا
ہے لیکن امور شرعیہ یعنی شرعی قوانین و احکام میں کھلی
ں نہیں دی جا سکتی بلکہ قرآن و سنت کے اصول اساسی کے
ے کے اندر رہتے ہوئے اہل اجتہاد کو اجتہاد کی اجازت
گئی ہے۔

عورت کے قتل خطا کی دیت کا مسئلہ اجماع صحابہ اور تواتر
ت سے ثابت ہے اور طے شدہ مسئلہ ہے کوئی اختلافی مسئلہ
یں ہے۔ اختلاف جو کچھ بھی ہے زخموں کی دیت میں ہے
ہے اس کو ۵ فیصد سے بھی کم "مغرب زدہ خواتین و
ت کے مطالبے پر یورپین ماڈل کے مجتہدین کے اجتہاد کا
شق نہیں بنایا جا سکتا۔ اسلام نہ تو "ملا ازم" ہے اور
"ملازن ازم" بلکہ قرآن و سنت کے احکام کی وفاداری کا
اسلام ہے۔

۔ ۲۔ دوسری بات پروفیسر میر صاحب نے اپنی تمہید میں
کی ہے کہ میں ایسے متعدد علماء کو جانتا ہوں جو حکومت کو
ان کے اصول حرکت (اجتہاد) سے آگاہ کرنے کے
بے تاب ہیں لیکن پیشہ ور الزام تراشوں کی بد ذوقی کے
نظر اپنی زبانیں بند رکھے ہوئے ہیں۔
معلوم نہیں حضرت میر کے علم میں کون سے وہ علماء ہیں جو
الزام تراشوں" سے ڈرتے ہیں۔ میرے علم میں تو نہیں
ملک کے لاکھوں مسلمانوں کے [illegible] تو ایسے بے شمار حق
ست اور حق گو علماء موجود ہیں جو شریعت کا حکم بیان کرتے
ت نہ کسی حکمران سے ڈرتے ہیں نہ کسی کی جانب سے
ت پسند اور "کٹھ ملا" ہونے کی پھبتی کسے جانے سے
ڈرتے ہیں۔ نہ کوئی طمع اور لالچ ان کو حق گوئی سے روک سکتا
ہے اور نہ وہ "بد ذوق الزام تراشوں" میں شمار ہونے کے
ڈر سے طے شدہ اجماعی مسائل میں اجتہاد آرائیاں کرتے

تیسری بات جناب میر صاحب نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ
جناب پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اجتہادی کاوشوں کے
جاری رکھنے کی محض باتیں نہیں کیں بلکہ عورت کی دیت کے مرد
کے برابر ہونے کے لئے عملاً اجتہاد کیا بھی ہے اور [illegible] کو
کابینہ کے خصوصی اجلاس میں صدر مملکت نے بھی قادری
صاحب کو مدعو کیا۔ اجلاس میں عورت کی نصف دیت کی
مخالفت میں قادری صاحب کے پرزور دلائل نے سب کو متاثر
کیا۔

ہم جیسے "بیرون خانہ" لوگ "اندرون خانہ" باتوں سے
تو واقف نہیں ہیں لیکن اس اجلاس میں ملک کے ممتاز اور
معروف و مستند علماء دین بھی موجود تھے جن کے علم اور خیالات
اور تحریروں سے ہم پہلے سے آگاہ ہیں۔ مثلاً مفتی سیاح
الدین صاحب کاکاخیل اور جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب۔ کیا ان کو بھی
متاثر کیا تھا؟ ملک کے ہزاروں ماہرین شریعت علماء کو بھی متاثر کیا
تھا؟ اور عام مسلمانوں کی کتنی فیصد تعداد کو متاثر کیا تھا؟

پروفیسر قادری کی پہلی دلیل

سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۸ میں قصاص اور راضی نامے کی
صورت میں صلح کا حکم مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں
ہے لہٰذا قتل خطا کی صورت میں دیت بھی دونوں کی برابر ہونی
چاہئے۔ عورت کی دیت کے نصف ہونے کے اجماعی حکم
سے جن دو تین حضرات نے انکار کیا ہے ان کے خیال میں
یہی پہلی اور مضبوط دلیل ہے جس سے دیت کی مساوات ثابت
ہوتی ہے اور اسی کو یہ لوگ بنیادی دلیل سمجھتے ہیں۔

تجزیہ

الف = قتل عمد ایک سنگین جرم ہے جس کی سزا قصاص
ہے اور اس سزا کا ذکر قرآن کریم میں متعین طور پر بغیر کسی
اجمال و ابہام کے اور بغیر کسی استثناء و تخصیص کے عمومی
الفاظ میں کر دیا گیا ہے۔ اس کی مزید تشریح سورۃ مائدہ کی
آیت ۴۵ میں کی گئی ہے جس میں مطلقاً "جان کے بدلے
جان" کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم
میں ہے کہ "سب مسلمانوں کا خون برابر ہے"۔ قصاص چونکہ
خون کا بدلہ ہے اس لئے مرد اور عورت کے لئے قصاص کا حکم
برابر ہے اور یہ بھی اجماعی حکم ہے۔ اس واضح و غیر مبہم
حکم میں نہ تو کسی دلیل سے تخصیص جائز ہے اور نہ ہی کسی اور
دلیل سے اس عام حکم میں تخصیص کی گئی ہے۔

ب = بدل صلح راضی نامے کی صورت میں قصاص کا
بدل ہے جس کے ادا کرنے سے قاتل اپنے آپ کو موت سے
بچاتا ہے۔ قصاص چونکہ دونوں کے لئے یکساں ہے اس لئے
بدل صلح بھی دونوں کے لئے یکساں ہے مگر مقدار مقرر نہیں
ہے۔ جس مقدار پر بھی مصالحت ہوئی ہو وہی ادا کرنی پڑے
گی۔ پوری دیت بھی ہو سکتی ہے آدھی بھی ہو سکتی ہے اور
کچھ لئے بغیر بھی معاف کیا جا سکتا ہے۔

ج = لیکن قتل خطا قتل عمد کی طرح کا جرم اور گناہ نہیں
ہے بلکہ صرف شدید بے احتیاطی اور بے پروائی ہے جس کی سزا
کفارہ مقرر کی گئی ہے۔ کفارے کا تعین بھی قرآن کریم میں
کر دیا گیا ہے کہ غلام آزاد کیا جائے گا یا ساٹھ روزے رکھنے
پڑیں گے۔ لہٰذا کفارے کے متعین اور غیر مبہم حکم میں بھی نہ
تخصیص جائز ہے اور نہ تخصیص کی دوسری دلیل سے ہوئی
ہے۔ مگر دیت قصاص کا بدل نہیں ہے جبکہ قتل خطا کی صورت
میں سزائے موت شریعت نے مقرر نہیں کی اور سزائے موت
ہی جائز نہیں ہے تو دیت اس کا بدل کیسے قرار دی جا سکتی ہے؟
اگر یہ قصاص کا بدل ہوتی تو اس کا ادا کرنا خود قاتل پر واجب
ہوتا جیسا کہ قتل عمد کی صورت میں بدل صلح ادا کرنا قاتل پر
ہے۔ عاقلہ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ دراصل قتل خطا کی
دیت مقتول کے وارثوں کی امداد اور معاشی پریشانی کا کسی حد تک
ازالہ اور مالی نقصان کی تلافی کرنے کے لئے ہے جو اجتماعی
کفالت کے اصولوں پر قاتل کے عاقلہ (خاندان یا ہم پیشہ
لوگوں) پر لازم قرار دی گئی ہے۔ قاتل نے چونکہ کوئی عمداً
جرم نہیں کیا اس لئے خود اس پر نہ قصاص ہے اور نہ ہی دیت
ہی لازم ہے۔ اس سے صرف ایک بے احتیاطی ہوئی تھی جس
کے نتیجے میں نادانستہ یا غیر ارادی طور پر ایک جان ضائع ہوئی۔
اس لئے اس کی سزا کفارہ رکھا ہے جو قاتل پر فرض ہے معلوم
نہیں قادری صاحب نے اس پر کیوں توجہ نہیں فرمائی۔

د = باقی رہی یہ بات کہ سورۃ النساء کی آیت ۹۲ میں قتل خطا
کی دیت ادا کرنے کا حکم عام ہے اور مذکر کے صیغے میں بالاجماع
عورتیں بھی شامل ہیں اس لئے اس عموم و اطلاق میں خبر
واحد اور اقوال صحابہ کے ذریعے تخصیص و تقیید جائز نہیں ہے تو
اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ ایک ہے "نفس وجوب
دیت" جس کا ذکر قرآن میں واضح طور پر بغیر کسی تخصیص
کے اور بغیر کسی اجمال و ابہام کے کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا دیت کا
واجب ہونا مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں ہے یعنی جس طرح مرد کے قتل
خطا کی دیت واجب ہے اسی طرح عورت کے قتل خطا کی دیت بھی واجب ہے
اور دوسری بات ہے "قتل خطا کی دیت کی مقدار" اس بات کا
ذکر قرآن کریم میں نہ صیغہ خاص کے ذریعے ہوا ہے اور نہ
صیغہ عام کے ذریعے کیا گیا ہے بلکہ سرے سے ذکر ہی نہیں ہوا۔
قادری صاحب سے گزارش ہے کہ زیر بحث مسئلہ "دیت
کا وجوب نہیں ہے بلکہ دیت کی مقدار موضوع کلام ہے۔
قادری صاحب نے خود اپنے انٹرویو میں تسلیم کیا ہے کہ دیت
کے تفصیلی احکام ہمیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے
ملتے ہیں۔ اگر قرآن کریم میں واضح طور پر بغیر کسی ابہام و
اجمال کے مرد اور عورت دونوں کی دیت کی شرح اور مقدار
یکساں بیان کر دی گئی ہوتی تو پھر آپ کہہ سکتے تھے کہ قرآن
کے عموم میں تخصیص جائز نہیں ہے مگر ایسا تو نہیں ہے۔ اصل
صورت حال یہ ہے کہ نفس وجوب دیت کا حکم واضح، محکم اور
غیر مبہم ہے لیکن مقدار دیت کا حکم مجمل ہے عام نہیں ہے، قرآن
کے ایسے مجمل و مبہم حکم کی تشریح خبر واحد یا اقوال صحابہ سے ہو
سکتی ہے بلکہ قرآن کی تفسیر و تشریح کا صحیح طریقہ ہی یہی ہے کہ
اس کو احادیث و آثار کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔
احادیث رسول اور اقوال صحابہ اور اجماع امت کو نظر انداز کر
کے ذاتی آراء کی روشنی میں تفسیر کرنا تو تفسیر بالرائے ہے جس کی
رسول اللہ نے مذمت کی ہے اور ایسا کرنے والے کو عذاب کی خبر
سنائی ہے۔ تفسیر بالرائے تو کہتے ہی ایسی تفسیر کو ہیں جو صحابہ،
تابعین، تبع تابعین اور اسلاف کی متفقہ تفسیر سے بے نیاز ہو کر
کی جائے اور وہ ان کے خلاف ہو ورنہ مطلق رائے کا استعمال
اور تدبر تو قابل مذمت نہیں ہے بلکہ قابل تعریف ہے۔
قادری صاحب کے اس طرز استدلال سے ظاہر ہوتا ہے

راویوں کے دونوں سلسلوں کے اعتبار سے سنداً ضعیف ہے پھر بھی یہ درایتاً اپنے مفہوم کے اعتبار قابل استدلال ہے۔ اس لئے کہ سلف صالحین کا عمل اور امت کا تعامل اس کے مطابق ہے۔ (تلقی بالقبول) امام جصاص حنفی فرماتے ہیں کہ تعامل امت کی وجہ سے خبر واحد بھی متواتر حدیث کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ (احکام القرآن جلد ۱، ص ۳۸۶) — بغیر حد کے بیع بین العسلوتین کی بھی ممانعت کی۔ حدیث 'وارث کے لئے وصیت کی ممانعت کی حدیث اور قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کی حدیث اور اس نوع کی متعدد احادیث ہیں جو سنداً کمزور اور ضعیف ہونے کے باوجود تعامل امت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قابل قبول ہیں بلکہ حدیث متواتر کے درجے کی ہیں۔ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ترمذی جب ضعیف حدیث کے بارے میں کہتا ہے کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ سلف کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل استدلال ہے۔ مولانا عبد الحیؒ نے "الاجوبة الفاضلة" میں اس قاعدے کی بڑی اچھی تفصیل بیان کی ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی متعدد کتابوں کے حوالے سے مثالیں دے کر اس قاعدے کو ثابت کیا ہے۔ (مقدمہ اعلاء السنن فی قواعد علوم الحدیث ص ۲۹-۳۰)

عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت

معاذ بن جبل کی حدیث کی صحت کے دلائل (باسناد ضعیف ہونے کے باوجود درایتاً حدیث مقبول ہونے کے دلائل) تو آپ نے دیکھ لئے۔ اب دوسری حدیث مرفوع ملاحظہ کیجئے۔

"عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے یہاں تک کہ مرد کی دیت کے ثلث تک پہنچ جائے۔"

سنن نسائی کتاب القود، باب عقل المراۃ

سنن دارقطنی — کتاب الحدود والدیات

؟ جامع الاصول کتاب الدیات مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۳۹۶

کنز العمال، ج ۱۵ ص ۵۳

منتقی الاخبار مع نیل الاوطار۔ کتاب الدیات، باب دیۃ المراۃ

؟ بلوغ المرام از ابن حجر عسقلانی۔ کتاب الدیات۔

اس حدیث کو اگرچہ حنفیہ کی کتابوں میں ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اس کے ضعف کی بناء پر حنفیہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قتل اور زخموں کی دیت قلیل کثیر دونوں میں نصف ہے۔ شافعیہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ شہرہ آفاق محدث ابن حجر نے بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں بھی اس حدیث کو صحیح کہا گیا ہے اسکے سند میں اگرچہ اسماعیل بن عیاش آیا ہے جس پر جرح کی گئی ہے لیکن اس کی توثیق بھی کئی لوگوں نے کی ہے۔ صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن نسائی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اس حدیث میں ایک تناقض کے بعض زخموں اور قتل دونوں کی دیت کے نصف ہونے کا صریح حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔

عمرو بن حزم کی روایت (مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

قادری صاحب فرماتے ہیں کہ عمرو بن حزم کے ذریعے اہل یمن کے نام جو مکتوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اس میں یہ جملہ موجود نہیں ہے کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے" یہ جملہ صحیح احادیث کی متداول کتابوں میں موجود نہیں ہے اور ابن حجر نے بھی "التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر" میں لکھا ہے کہ یہ جملہ اس مکتوب طویل میں موجود نہیں ہے جو عمرو بن حزم کے ذریعے اہل یمن کو بھیجا گیا تھا۔ لیکن "رافعی کبیر" اور ابن قدامہ نے المغنی جلد ۸ ص ۳۰۲ مسئلہ نمبر ۶۸۵۰ میں مکتوب نبوی میں اس اضافے کو نقل کیا ہے۔ ان دو مشہور اور ثقہ محقق اہل علم نے جب اس اضافے کو نقل کیا ہے تو کسی ماخذ سے ہی نقل کیا ہو گا۔ ان پر عدم اعتماد کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے۔ جب کہ اس کی تائید میں معاذ بن جبل کی مرفوع بالتفاصیل حدیث اور اقوال صحابہ بھی موجود ہیں۔ لیکن میرا اصل استدلال عمرو بن حزم کی روایت پر نہیں ہے بلکہ معاذ بن جبل کی حدیث، عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث، اقوال صحابہ، اجماع امت اور سنت خلفاء الراشدین میرے اصل دلائل ہیں۔

پروفیسر قادری صاحب کی ایک اور دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر مومن کے قتل کی دیت ۱۰۰ اونٹ ہیں" یہ حدیث عام ہے اور اس میں مرد اور عورت کا فرق بیان نہیں کیا گیا۔

تبصرہ و تجزیہ

اس حدیث کے صحیح اور عام ہونے سے انکار نہیں ہے لیکن معاذ بن جبل کی حدیث نے جو تعامل امت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قابل قبول ہے بلکہ قوی تر دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی طرح اجماع صحابہ نے اس کے عموم میں تخصیص کر دی ہے کہ کسی مومن سے مراد مرد ہے عورت کا حکم دوسری روایات میں بیان ہوا ہے۔ حدیث کی تخصیص و تشریح دوسری احادیث سے بھی ہو سکتی ہے اور اجماع امت سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ حدیث کے نسخ کا مسئلہ نہیں ہے حدیث کی تعبیر و تشریح کا مسئلہ ہے قاعدہ یہ ہے کہ مجتہدین جب کسی تعبیر پر متفق ہو جائیں تو وہ تعبیر صحیح سمجھی جائے گی اس کے مقابلے میں انفرادی تعبیر کی قانونی حیثیت کچھ نہیں ہوگی۔

قادری صاحب کی ایک اور حدیث سے استدلال

حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مسلمانوں کا خون برابر ہے" جناب قادری صاحب کا دعویٰ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی دیت کی مقدار بھی برابر ہے۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں انہوں نے شیخ عبدالحق کی کتاب "اشعۃ اللمعات" قاضی یوسف کی کتاب المعتصر من المختصر اور مولانا ظفیر الدین کی کتاب اسلام کا نظام امن کے حوالے دیئے ہیں یہ حضرات بھی حدیث کی یہی تشریح کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک بھی مرد اور عورت کی دیت کی مقدار برابر ہے۔

یہ حدیث بالکل صحیح حدیث ہے جسے ابو داؤد، نسائی، مسند احمد، بیہقی اور مستدرک نے نقل کیا ہے امام طحاوی حنفی نے اپنی کتاب مشکل الآثار میں بھی نقل کرکے اس کی تشریح کی ہے کابینہ کے اجلاس میں تقریر کے دوران قادری صاحب ترجمان القرآن کو سامنے رکھ کر حوالے دے رہے تھے جس سے تاثر دیا جا رہا تھا کہ ترجمان کا جواب دے رہے ہیں لیکن نوائے وقت میں شائع شدہ انٹرویو میں ترجمان القرآن کی بحث کا کوئی جواب موجود نہیں ہے بلکہ محدث دہلوی کی بات توڑ موڑ کر بیان کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ ترجمان کے جون اور ستمبر کے شماروں میں مندرجہ بالا حدیث کا صحیح مفہوم اور طحاوی اور شیخ عبدالحق کی عبارات کا صحیح مفہوم وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ جس کا جواب اب تک کسی نے نہیں دیا ہے صرف توڑنے موڑنے کا الزام لگایا ہے ظاہر ہے کہ الزام صرف دعویٰ ہوتا ہے جواب یا تحقیق نہیں ہوتی قادری صاحب نے المعتصر کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ تاثر دیا جا سکتا ہے کہ یہ امام طحاوی کی مشکل الآثار کے علاوہ کوئی دوسری کتاب ہے حالانکہ یہ مشکل الآثار ہی کا خلاصہ ہے چند قابل توجہ امور مندرجہ ذیل ہیں؟

طحاوی نے مشکل الآثار میں درج بالا حدیث نقل کر کے تشریح اس طرح کی ہے۔

"ہم نے سارے اہل علم کو اس بات پر متفق پایا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قصاص اور دیات میں برابر ہیں اور یہ اونچ کو نیچ پر فضیلت دینے کی تردید کرتی ہے اور اس میں جاہلیت کی اس رسم کی تردید کی جا رہی ہے کہ اونچ سے نیچ کا قصاص نہیں لیا جاتا تھا اور اس حدیث سے ہم نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ اس بارے میں عورتیں بھی مردوں کی طرح ہیں اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا جس طرح کہ عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے"
(مشکل الآثار ج ۳ ص ۹۰)۔

عربی الفاظ بھی ترجمان القرآن میں نقل کئے گئے ہیں اس عبارت پر غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی نے ابتداء میں مردوں کے قصاص اور دیت میں برابری کا ذکر کیا اور آخر میں مرد اور عورت کے درمیان صرف قصاص میں برابری کا ذکر کیا ہے دیت کی مقدار میں مساوات کا ذکر نہیں کیا اگر امام طحاوی مرد اور عورت کی دیت کی مقدار کے برابر ہونے کے قائل ہوتے تو صاف طور پر لکھ دیتے کہ دونوں کی دیت بھی برابر ہے اور فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی طحاوی کا مسلک اس طرح نقل نہیں ہوا المعتصر میں امام طحاوی ہی کی یہ بات نقل کی گئی ہے کوئی نئی بات نہیں کی۔ (باقی)

کاغذی احتجاج

سرحدوں پر ہندو روس افواج ہیں سرگرم کار
اس طرف ہے عذر کابل کا ادھر کشمیر کا
ہم مگر لکھ لکھ کے اس پر کر رہے ہیں احتجاج
"کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"
(ع۔ن)

طاہرہ شاکر

اسلام اور بنیادی ضروریات کی فراہمی

بنیادی ضروریات کی فراہمی کا مسئلہ نہ تو اتنا غیر اہم ہے کہ اس سے بالکل ہی صرفِ نظر کر لیا جائے اور ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہ ہو اور نہ اس درجے اہم ترین مقام کا حامل ہے کہ انسانی زندگی کی تمام کوششوں کا محور صرف اسی ایک مسئلے کو سمجھ لیا جائے۔ اعتدال کی راہ صرف اسلام کی راہ ہے۔ اسلام کی نظر میں بنیادی ضروریات کی فراہمی ریاست کی اہم ترین ذمے داریوں میں سے ہے۔ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کی فکر سے بے نیاز کر کے اسے دیگر بلند تر مقاصدِ حیات کے حصول کے لئے تیار کرے۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں۔

"افرادِ معاشرہ کے لئے ان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی اسلامی ریاست کی ذمّہ داری ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلامی ریاست اس بات کا لحاظ کئے بغیر کہ کوئی شخص اپنے مال سے یا اپنی محنت کے ذریعے کسب مال کر کے ان ضروریات کو پورا کر سکتا ہے یا نہیں، ہر فرد کو ایسی اشیا اور خدمات فراہم کرتی رہے جو ان ضروریات کی تکمیل کرنے والی ہوں۔ یہ بات ناممکن ہے اور اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمّہ داری اس سلسلے میں صرف یہ ہے کہ وہ معاشرے میں ایسے حالات واسباب پیدا کرنے کی ذمّے دار ہے جن کی موجودگی میں عام افرادِ معاشرہ اپنی ضروریات اپنے بل بوتے پر پوری کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اسلامی معاشرہ ایسے خطوط پر استوار کیا جائے کہ بقدرِ ضرورت مال حاصل نہ کر سکنے والے افراد بآسانی اپنے خاندان یا عام افرادِ معاشرہ سے اتنی مدد حاصل کر سکیں۔ ان تمام انتظامات کے باوجود اگر کوئی فرد اپنی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہے تو پھر اسلامی ریاست کو اس بات کا انتظام کرنا ہوگا کہ وہ ایسے وسائلِ حیات پیدا کرے جو ان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے درکار ہیں۔"[1]

بنیادی ضروریات کا تعیّن

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اس باب میں اس طرح رقمطراز ہیں۔ "شریعتِ اسلامی کی کسی نص سے تو ان ضرورتوں کا کوئی درست اندازہ نہیں کیا جا سکتا جن پر انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں کا اطلاق ہو سکے۔ مگر یہ اصول بہرحال نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ وہ ہر ضرورت مند کو اس کی بنیادی ضروریات کا انتظام کرے جن پر انسانی زندگی کی بقا کا انحصار ہو اور جن کی عدم موجودگی میں انسانی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہو یا اس کے ضیاع کا احتمال ہو، اس کے اصول کی روشنی میں ذرا غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غذا، لباس، مکان اور بیماری کی حالت میں علاج یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان پر انسانی زندگی کی بقا کا دارومدار ہے اور اس بنا پر چاروں چیزیں لازمی طور پر بنیادی ضروریات میں شمار کی جائیں گی۔"[2]

اسلامی ریاست کی ذمّے داری

بنیادی ضروریات کے مفہوم کی اسی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے غالباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں جزئیات کی تفصیل نہیں فرمائی بلکہ اپنے ارشادات کے ذریعے نہایت جامع انداز میں یہ اصول متعین فرمایا کہ اصحاب امر محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کے ذمّے دار ہیں۔ نیز محروم افراد کی بنیادی ضروریات کی

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست (لاہور، ۱۹۷۷ء) ص ۳۹۱-۳۹۲

[2] ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریۂ ملکیت (لاہور، ۱۹۷۱ء) ص ۹۱

تکمیل اسلامی ریاست کی ذمے داریوں میں سے اہم ترین ذمے داری ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ اس امر کی مکمل طور پر نشاندہی کرتی ہے۔

قَالَ عمرو بن مرّة لمعاوية اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مَا مِنْ امَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُوْنَ ذَوِي الحاجة وَالخَلَّة وَالمَسْكَنَة اِلَّا اَغْلَقَ اللهُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ ومسكنته فَجَعَلَ معاويةُ رجلاً على حوائج النَّاس [3]

"عمرو بن مرہ نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو امام ضرورتمندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ اس کی ضرورت، فقر اور مسکینی پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔ (یہ سن کر) معاویہ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مامور کر دیا۔"

اس حدیث مبارکہ کے الفاظ سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ تکمیل ضروریات کی ذمے داری اسلامی ریاست کی ابتدائی ذمے داریوں میں سے ہے کیونکہ کوئی صاحب امر اگر پہلے ہی مرحلے میں اپنی ذمے داری سے عہدہ برآ نہ ہوگا تو وہ اپنی ضروریات کی تکمیل میں اللہ کی نصرت سے محروم ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ ایک صاحب امر کی ضروریات میں وہ حاجتیں بھی شامل ہیں جو امورِ ریاست کے نگران ہونے کی حیثیت سے اسے لاحق ہوتی ہیں۔ اس بات کی مزید وضاحت، خلافت کی اس تعریف سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ جسے سن کر کعب بن احبار رضی اللہ عنہ نے اس کی تصویب فرمائی ہے۔

عن سلمان قال ان الخليفة هُوَ الَّذِي يَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ وَيُشْفِقُ عَلَى الرَّعِيَّةِ شَفَقَةَ الرَّجُلِ عَلَى اَهْلِهِ فَقَالَ كعب الاحبار صَدَقْتَ [4]

"سلمان سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے یہ سن کر کعب بن احبار نے کہا، سچ کہا۔"

ظاہر ہے خلافت کا اصل مقصد تو قانونِ الٰہی کا نفاذ ہی ہے مگر اس کے فوراً بعد شفقت علی الرعیہ کا ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ خلیفہ کے لئے جتنا اہم کام قانونِ الٰہی کا نفاذ ہے اتنا ہی اہم یہ کام بھی ہے کہ وہ رعیت سے شفقت کا برتاؤ رکھے اور شفقت بھی کیسی، جیسے ایک آدمی کو اپنے اہل وعیال سے ہوتی ہے کہ وہ ان کی صرف بنیادی ضرورتوں ہی کی فکر نہیں کرتا بلکہ ان کو ہر طرح کے آرام اور ہر طرح کی راحتیں بہم پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی بات کو آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر رعیت کی خیر خواہی سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

مَا مِنْ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ [5]

"جس بندے کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔"

کسی آدمی کے ساتھ خیر خواہی کا اوّلین تقاضا یہی ہے کہ جن ضروریات کی عدم تکمیل سے اس کی جان ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو ان کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

غرض اس قسم کے متعدد ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں یہ بات پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ معاشرے کے محروم افراد کے لئے "بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اسلامی ریاست کی

---

[3] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی - کتاب الاحکام، باب جاء فی امام الرعیة (مصر ۱۹۳۱ء) ج ۵، ص ۴۰۔

[4] امام ابو عبید القاسم - کتاب الاموال (قاہرہ ۱۳۵۳ھ) ج ص

[5] محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیة فلم ینصح (مصر ۱۳۴۵ھ، ج ۲، ص ۵۸)

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

تبصرۂ کتب — علیم ناصری

یادِ رفتگاں (جلد اول)

مرتّب : طالب ہاشمی
ضخامت : درمیانہ سائز - ۴۱۲ صفحات - قیمت ۴۲ روپے
ناشر : البدر پبلی کیشنز - ۲۳ رحمت مارکیٹ اُردو بازار - لاہور

ماہنامہ "فاران" کراچی کے مُدیر اور مالک مولانا ماہرالقادری مرحوم اُردو کے ایک منجھے ہوئے ادیب، نغز گو اور شگفتہ بیان شاعر، ایک حق گو مومن، عظیم نعت نگار، بے باک نقاد اور شیوا بیان مقرر تھے۔ ان کے حلقۂ احباب میں حیدرآباد دکن کے صدر اعظم سے لے کر برصغیر کے اصحابِ علم و فضل اور اربابِ جاہ و منصب تک شامل تھے۔ مگر ان کی خودداری اور خود نگہی نے انہیں کسی کا محتاج نہیں بننے دیا بلکہ وہ لوگ ان کی دوستی پر فخر کرتے تھے۔ برصغیر کے ہم عصر علماءِ دین سے ان کی ارادت مندی تھی۔ اور ان کی نگاہ میں بھی ان کا بے حد احترام تھا۔ ان کی دینی غیرت بے پناہ تھی۔ توحید و سُنّت کے مقابلے میں کوئی من گھڑت روایت سننے کے روادار نہیں تھے۔ فاران کا توحید نمبر ان کی موحدیت کا شاہکار ہے۔ ان کی شاعری، انشاء پردازی اور دینی غیرت پر کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ علماء، شعراء اور اہلِ دانش سے گہرے روابط رکھتے تھے۔ اور جیسے ہی کسی ایسے شخص کا انتقال ہو جاتا وہ فوراً "فاران" میں یادِ رفتگاں کے عنوان سے اس پر تعزیتی شذرہ سپردِ قلم کرتے۔

زیرِ نظر کتاب "یادِ رفتگاں" ان کے انہی مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جس کو ان کے دوست اور عقیدتمندوں مولانا طالب علی ہاشمی صاحب نے نہایت دلچسپی، دیدہ ریزی اور محنت سے جمع کرکے مرتب کیا ہے۔ یہ مضامین مولانا مرحوم کی زندگی تک فاران کے سینکڑوں صفحات پر محیط ہو چکے تھے جن میں سے طالب ہاشمی صاحب نے حصہ اول میں حروفِ تہجّی کی ترتیب سے ا سے ظ تک کے ناموں کو شامل کیا ہے۔ ع سے ی تک دوسرے اور تیسرے حصے میں آئیں گے۔ جو اس وقت زیرِ ترتیب ہیں۔

مولانا ماہر کا اندازِ تحریر منفرد تھا وہ جس مرحوم شخصیت پر قلم اٹھاتے اس کی سیرت کا ایک عمدہ خاکہ پیش کر دیتے۔ اس کی وفات پر حزن و ملال کا بھی اظہار کرتے اور ساتھ ہی اس سے اپنے ذاتی روابط کے تذکرے سے پاک و ہند کے اُس دور کے معاشرے کی تصویر بھی کھینچ دیتے۔ علماء کے ذکر میں دینی عوارف و معارف کے فکر انگیز مسائل پر بحث کرتے اور شعراء کے تذکرے سے شعر و ادب کی رنگینیاں اور رعنائیاں صفحۂ قرطاس پر بکھیرتے چلے جاتے —— یادِ رفتگاں کا کوئی سا موضوع شروع کر دیجئے آپ اس کو نہ صرف پورا پڑھ کر دم لیں گے بلکہ اپنے علم و شعور میں ایک بلیغ اضافہ ہوتا ہوا پائیں گے —— یہ حکایت اتنی لذیذ ہے کہ قلم روکنے کو جی نہیں چاہتا مگر افسوس کہ پرچے کی تنگ دامانی اس کی متحمل نہیں۔ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے مولانا مرحوم کے لئے دعائے بلندیٔ درجات کرتے ہیں۔ اور طالب ہاشمی صاحب کی اس کاوش اور حُسنِ عقیدت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں جنہوں نے نہایت عمدہ گیٹ اپ، خوبصورت کتابت و طباعت اور سادہ و پُرکار گرد پوش کے ساتھ ایک روح پرور مرقع پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا ماہر ہی کا ایک شعر حاضر ہے ؎

آنکھوں کی تشنگی کا تمہیں تجربہ نہیں
تم دیکھتے رہو گے تو بڑھتی رہے گی پیاس

راہِ سعادت

مصنف : فضیلۃ الشیخ عبداللہ سلیمان بن حمید
ترجمہ و ترتیب ۔ حافظ عبدالرحمٰن نعیمؔ
ضخامت : ۸۰ صفحات، درمیانہ سائز۔ عام قیمت ۸ روپے
ناشر ۔ سبحانی اکیڈمی ۔ اُردو بازار ۔ لاہور

اس کتابچے میں فضیلۃ الشیخ عبداللہ سلیمان بن حمید

یس ہیئات القصیم (بریدہ) سعودی عرب کے ایک عرب
ماے کا اردو ترجمہ ہے جسے حافظ عبدالرحمٰن نعیم صاحب نے
یس اردو میں منتقل کیا ہے۔ نیز دورِ حاضر میں انگریزی تہذیب
عاشرت کی ہمنوائی میں "عطیہ چشم بعداز مرگ" کا جو فتنہ
ری ہوا ہے، اس پر علمائے اہل سنّت کا محاکمہ پیش کیا گیا
ہے۔ یہ ایک نہایت عمدہ مجموعہ مضامین ہے جس سے بہت سی
لط فہمیاں دور ہوتی ہیں اور دین کے صحیح رُخ کی طرف رہنمائی
رتی ہے۔

اس کتابچے کی کتابت میں جو "جدّت" اختیار کی گئی ہے
ہ قدرے مغالطہ آمیز ہے اور عبارت پڑھنے میں دقّت پیدا
رتی ہے۔ آیندہ ایڈیشن میں اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔
یہ کتاب جامع مسجد رحمانیہ اہل حدیث باغبان پورہ لاہور ۹
ے بھی مل سکتی ہے۔

الدّین الخالص (پہلی قسط پردہ اُٹھتا ہے)

مؤلف: مولانا ابوجابر عبداللہ دامانوی
ضخامت: درمیانہ سائز ۷۶ صفحات، قیمت ۱۳ روپے ۵۰ پیسے
ناشر: حزب المسلمین، فاروق اعظم روڈ۔ کیماڑی کراچی

زیر تبصرہ کتاب مولانا ابوجابر عبداللہ دامانوی کی طرف
سے ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کے عقائد و افکار پر علمی گرفت ہے۔
ڈاکٹر صاحب موصوف توحید و سُنّت کی تبلیغ کرتے کرتے اپنے
فکر و فہم کی بدولت دینی حدود سے آگے نکل گئے ہیں، اور اب
بزعم خویش دورِ حاضر کے سب سے بڑے دینی محقق ہونے کے
دعویدار ہیں۔ اس سلسلے میں وہ علمائے سلف کے جیب و گریبان
تک دست درازی کرنے پر اُتر آئے ہیں۔ مولانا ابوجابر نے
اس کتاب کو پہلی قسط کے طور پر شائع کیا ہے جس میں عذابِ قبر
اور اس کے متعلقات پر بحث کرکے ڈاکٹر عثمانی صاحب کی
غلط اندیشیوں اور کج فکریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اس
کتاب کے ذریعے مولانا ابوجابر صاحب نے قرآن و سنت کی
اصل تعلیم کو نہایت عمدہ دلائل و براہین سے واضح کیا ہے جو مبتدی
سے لے کر اصحابِ علم تک کے لئے ایک عمدہ علمی دستاویز ہے۔
ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔

کتاب کے آغاز میں یہ نوٹ دیا گیا ہے۔ "اس کتاب کو
تبلیغی مقاصد کے لئے شائع کیا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی ادارہ یا کتب خانہ
اسے بغرضِ تبلیغ قیمتاً یا مفت شائع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔...
... اہلِ خیر حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس کی اشاعت
میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔"

اس کتاب کی اشاعت کے مقاصد نیک ہیں اس لئے اس
میں تعاون فلاح و کامرانی کا موجب ہے۔ !!

اطلاعات و اعلانات

سالانہ جلسہ تقسیم اسناد اور تقریری مقابلہ

مدرسہ دار الحدیث اوکاڑہ کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد ۲۹ اکتوبر بروز سوموار منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں جید علمائے کرام خطاب فرمائیں گے اس موقع پر پنجاب کے دینی مدارس اور کالجوں کے طلبہ کا انعامی تقریری مقابلہ بعنوان "مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی" صبح ۹½ بجے مدرسہ میں منعقد ہو گا۔ اول، دوئم، سوئم آنے والے مقررین کے لئے بالترتیب مبلغ پانچ صد، تین صد، دو صد روپے کے نقد انعامات مختص ہیں، جب کہ سو سو روپے کے تین خصوصی انعام اس کے علاوہ ہوں گے (عبداللہ یوسف ناظم دار الحدیث نزد ٹی۔ بی کلینک اوکاڑہ)

سہ روزہ سالانہ تبلیغی جلسہ

جماعت اہل حدیث بلتستان کی قدیمی اور واحد تنظیم "انجمن اسلامیہ بلتستان" کا بیالیسواں سالانہ تبلیغی جلسہ ۲۴-۲۵-۲۶ اکتوبر ۱۹۸۴ء بروز بدھ، جمعرات، جمعہ موضع یگو میں منعقد ہو رہا ہے جس میں بلتستان بھر کے جید علمائے کرام خطاب فرمائیں گے (محمد حسن اثری ناظم اعلیٰ انجمن اسلامیہ بلتستان)

مدرسہ تدریس القرآن باغ (آزاد کشمیر)

مدرسہ ہذا کچھ عرصہ تعطل کے بعد دوبارہ ۱۰ محرم الحرام سے شروع ہو چکا ہے۔ اب تک اس میں بیرونی اور مقامی تقریباً تیس طلباء و طالبات دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جس میں ناظرہ حفظ اور ابتدائی اردو تعلیم کا سلسلہ جاری ہے اس سلسلہ میں مخیر حضرات سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے (جمعیت اہل حدیث باغ آزاد کشمیر)

تعمیر مسجد اہل حدیث میانوالی شہر

الحمد للہ کہ دو سال کی لگاتار کوشش کے بعد جمعیت اہل حدیث میانوالی نے جنوبی بیرونی سگنل کے سامنے اور سٹیشن سے تقریباً دو فرلانگ دور دو کنال کا پلاٹ برائے تعمیر مسجد و مدرسہ خرید لیا ہے۔ رجسٹری ہو گئی ہے لیکن دس ہزار روپیہ ابھی ادا کرنا ہے اور تعمیر کا مرحلہ بھی ہے لہذا جماعت کے تمام مخیر حضرات سے بھرپور تعاون کی اپیل ہے (شاہجہان ملک ہیڈ کلرک ڈسٹرکٹ آرمڈ سروسز بورڈ میانوالی)

ضرورت قاری

ہمیں ایک تجربہ کار دیانت دار مخلص متقی اور بلند کردار قاری کی ضرورت ہے قاری رحیم بخش کے شاگرد کو ترجیح دی جائیگی قاری صاحب کا اہل حدیث ہونا ضروری ہے تنخواہ حسب لیاقت دی جائے گی (حافظ مشتاق احمد مدرسہ دار الاسلام ڈھولن ہٹھاڑ ضلع قصور)

ضرورت مدرس

ہمیں ایک مدرس کی ضرورت ہے جو درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں مثلاً صحاح ستہ تفسیر جلالین بیضاوی حماسہ متنبی، شرح جامی، عبد الغفور وغیرہ پڑھانے کی اچھی دسترس رکھتا ہو تنخواہ کم از کم ایک ہزار روپیہ ہو گی زیادہ بھی حسب قابلیت اور محنت کی جا سکتی ہے (شاہ محمد ناظم الجامعۃ الاسلامیہ رجسٹرڈ مسودھی جھے والی ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع خوشاب)

تبدیلی پتہ

راقم اب کوٹلی آزاد کشمیر سے واپس آ گیا ہے۔ لہذا احباب اب اس پتہ پر رابطہ قائم کریں (محمد زکریا ثاقب خطیب گلبرگ معرفت سبحانی اکیڈمی۔ اردو بازار۔ لاہور)

ضروری اعلان

۱۔ خبریں اور اعلانات مختصر بھیجیں۔
۲۔ تبلیغی رودادیں اور دیگر غیر ضروری تفصیلات شائع نہیں ہوں گی (۳) مضامین صاف اور خوش خط لکھیں۔
(۴) آیات و احادیث کے حوالے مکمل درج کریں۔ (ادارہ)

بقیہ • اسلام اور بنیادی ضروریات کی فراہمی

اہم ترین ذمے داری ہے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کی پوری تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کو بھی اپنی اس ذمے داری کا پوری طرح احساس تھا۔ اور یہ بات خلافتِ راشدہ تک ہی محدود نہیں، اس مبارک دَور کے بلعد بھی اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسی لاتعداد مثالیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گو دیگر امُور کے لحاظ سے خلافتِ اسلامیہ میں اختلال پیدا ہو گیا تھا مگر جہاں تک محروم افراد کے لئے بنیادی ضروریات کی فراہمی کا تعلق ہے ہر دور کی اسلامی ریاست کے ہر صاحبِ امر کو اپنی اس ذمے داری کا شدت سے احساس رہتا تھا۔ چنانچہ اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے وہ پورا پورا اہتمام کرتا تھا۔ (باقی)

PHONE

WEEKLY AL-AITISAM LAHORE R.L No

26-10.84

5523